# اسلام اور ماحولیات کا تحفظ

## (۲)

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

## زمین کی حفاظت اور اس میں گندگی پھیلانے کی ممانعت

اللہ تعالی نے زمین کو انسانوں اور دیگر جان داروں کی رہائش اور کاشت کے لائق بنایا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (هود:٦١)

(اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی صلاحیت تم میں پیدا کی۔)

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان کی تخلیق زمینی مادے سے ہوئی ہے۔ جدید سائنس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جن عناصر سے مرکب ہے وہ سب زمین کی مٹی میں موجود ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی پیدائش زمین سے اس حیثیت سے ہے کہ اس سے پیدا ہونے والی غذا سے مادۂ منویہ اور حیض کا خون تیار ہوتا ہے اور ان دونوں سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔[۱]

نیز اسی زمین سے ایک اہم عبادت طہارت اور نماز بھی متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

...وجعلت لی الأرض مسجداً وطهوراً، فأيما رجل من أمتی أدركته الصلاة فليصلِّ۔[۲]

(...اور پوری روئے زمین میرے لیے نماز کی جگہ اور پاکی کا ذریعہ بنادی گئی ہے، اس لیے جس جگہ بھی نماز کا وقت ہوجائے، میرا امتی وہاں اسے ادا کرلے۔)

زمین کی اسی خصوصیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں چار سوتیس (۴۳۰) مرتبہ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں: **فراش** (بستر)، **مھد**، **مھاد** (بستر)، **قرار** (ٹھہرا ہوا)، **ذلول** (نرم)، **بساط** (بستر)، **کفات** (برتن)۔

زمین کی اس خصوصیت اور اہمیت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس مقصد کے لیے بنایا ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہ کی جائے۔ زمین میں ایسی کوئی تبدیلی، جس سے اس کی یہ حیثیت متاثر ہوجائے، درحقیقت اس میں بگاڑ پیدا کرنا اور فساد برپا کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

**وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا** (الاعراف:۵۶)

(اور روئے زمین پر اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔)

ابوحیان اندلسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں زمین میں فساد پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں فساد کی تمام شکلیں داخل ہیں، چاہے اس کا تعلق جسم و جان سے ہو، یا دین وعقل سے، یا نسب اور مال سے۔ 'اصلاح' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح سے بنایا ہے کہ وہ مخلوقات کی منفعت اور مکلفین کی مصلحت کے لائق ہے۔ اس سلسلے میں بعض مفسرین نے فساد اور اصلاح کی جو نوعیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ بطور مثال ہے، اس لیے کہ ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''[۳]

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے فساد سے منع کیا ہے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ صحیح قول یہی ہے، اس لیے کہ آیت بالکل عام ہے۔''[۴]

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ خصلت بیان فرمائی ہے:

**وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ** (البقرۃ:۲۰۵)

(جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔)

یعنی زمین میں فساد کا نتیجہ یا فساد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کھیتی کو تباہ و برباد کیا جائے، جس کی وجہ سے نسل انسانی وحیوانی تباہی و ہلاکت سے دوچار ہو، کیوں کہ

زمین کا مقصدِ وجود اس کی تعمیر اور اصلاح ہے اور اس میں کسی طرح کی تخریب اور فساد ناروا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (هود:٦١)

(وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی صلاحیت عطا کی۔)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں:

أمركم بعمارة ما تحتاجون اليه فيها من بناء مساكن وغرس الأشجار ۵؎

(اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے مطابق گھر بنانے اور درخت لگانے کا حکم دیا ہے۔)

اور بعض مفسرین نے لکھا ہے:

المعنى ألهمكم عمارتها من الحرث والغرس وحفر الأنهار وغيرها۔ ٦؎

(مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کرنے، درخت لگانے اور نہر کھودنے کا طریقہ سکھایا ہے۔)

اور 'استعمركم' کے لفظ سے یہ سمجھا گیا ہے کہ زمین کی تعمیر انسان کے لیے ضروری ہے:

"لأنّ الطلب المطلق من الله تعالىٰ على الوجوب۔ ٧؎

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی چیز کا مطلق مطالبہ ہو تو اس سے وجوب مراد ہوگا۔)

اسی بنیاد پر زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ تعمیر کی چار قسمیں ہیں: واجب، مستحب، مباح اور مکروہ۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ زمین کی تعمیر لمبی عمر پانے کا سبب ہے، چنانچہ ایرانی حکم رانوں نے خوب درخت لگوائے اور نہریں بنوائیں اور لمبی عمریں پائیں، حالاں کہ وہ رعایا کے ساتھ ظلم کیا کرتے تھے۔ ان کے زمانے کے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے ان کی درازی عمر کی وجہ معلوم کی تو جواب ملا:

انهم عمروا ابلادي فعاش فيها عبادي۔ ٨؎

(انھوں نے میرے شہروں کو آباد کیا، جس میں میرے بندوں نے رہائش اختیار کی۔)

احادیث میں بھی زمین کی تعمیر اور اسے زندہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

**من أحیا أرضاً میتۃً فھی لہ۔** ۹؎

(جو کوئی بے کار زمین کو کار آمد بنادے تو زمین اسی کی ہو جائے گی۔)

ایک دوسری حدیث میں زمین کی تعمیر کی مختلف شکلوں کو صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**سبعۃ یجری علی العبد أجرھن من بعد موتہ فی بزہ، من علم علماً، أو أکری نھراً، او حفر بئراً أو غرس نخلاً أو بنی مسجداً أو ورث مصحفاً أو ترک ولداً یستغفر لہ۔** ۱۰؎

(سات چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے: کسی کو علم کی بات بتادے، نہر کھود دے، یا کنواں بنادے، یا درخت لگادے، یا مسجد تعمیر کردے یا قرآن چھوڑ جائے یا اس کی اولاد اس کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔)

حدیث میں ایسی چیزوں سے منع کیا گیا ہے جو زمین کی زندگی کو تباہ و برباد اور وہاں رہنے والوں کے لیے دشواری پیدا کرتی ہوں اور تکلیف دہ چیزوں کو زمین سے ہٹانے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

**الایمان بضع وسبعون شعبۃً، فأفضلھا قول لا الہ الا اللہ وأدناھا إماطۃ الأذی عن الطریق۔** ۱۱؎

(ایمان کے ستر (۷۰) سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے کم تر تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

**یمیط الأذی عن الطریق صدقۃ۔** ۱۲؎

(تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا صدقہ ہے۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح 'تکلیف دہ چیز' کے مفہوم میں راستے سے اینٹ، پتھر، کانٹا وغیرہ کا ہٹانا شامل ہے، اسی طرح اس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو انسانی صحت کے لیے خطرناک یا ضرررساں ہوں۔

ایک روایت میں ہے:

**بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فأخّرہ، فشکر اللہ لہ، فغفر لہ۔** ۱۳؎

(ایک شخص کہیں جارہا تھا۔ راستے میں کانٹے دار ٹہنی ملی۔ اس نے اسے ہٹا دیا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل قبول کیا اور اس کی مغفرت کردی۔)

مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی: ''اے اللہ کے نبی! مجھے ایسی چیز بتلا دیجیے جس سے مجھے نفع ہو''۔ آپؐ نے جواب دیا:

**اعزل الأذی عن طریق المسلمین۔** ۱۴؎

(مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دو۔)

حدیث میں گھر اور صحن کو بھی صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**طھّروا أفنیتکم، فانّ الیھود لا تطھّر أفنیتھا۔** ۱۵؎

(صحن کو صاف رکھو، کیوں کہ یہودی صحن کو صاف نہیں رکھتے۔)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

**نظّفوا أفنیتکم، فانّ الیھود أنتن الناس۔** ۱۶؎

(صحن کو صاف رکھو، کیوں کہ یہودی سب سے گندے ہیں۔)

گھر اور صحن کی طرح گزرگاہوں میں بھی گندگی اور آلودگی پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

**اتّقوا اللعّانین، قالوا: وما اللعّانان یارسول اللہ؟ قال: الذی یتخلّی فی طریق الناس أو فی ظلّھم۔** ۱۷؎

(لعنت کی دو جگہوں سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ دو جگہیں کیا ہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا: کوئی شخص راستے میں یا سائے

میں قضائے حاجت کرے۔)

ظاہر ہے کہ کوڑا کرکٹ اور گندگی کی وجہ سے بدبو پھیلتی ہے، جس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بہت سے امراض کے پھیلانے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ ان گندگیوں میں بیماری کے جراثیم جنم لیتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں، یہاں تک کہ صرف ایک مکھی انسان میں بیالیس (۴۲) قسم کی بیماریاں منتقل کرسکتی ہے۔ کسی جگہ اگر صرف ایک ہفتے کے لیے کوڑا چھوڑ دیا جائے تو مکھیوں کی پوری فوج تیار ہوسکتی ہے۔

کتبِ فقہ میں راستوں اور عمومی جگہوں پر کسی ایسے عمل کی ممانعت کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف یا نقصان پہنچے۔ ۱۸؎ اس سلسلے میں امام غزالیؒ کی درج ذیل تحریر بڑی جامع اور تمام شکلوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ راستوں کے منکرات کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اسی طرح اگر قصاب اپنی دوکان کے سامنے راستہ میں جانور ذبح کرتا ہے، جس کی وجہ سے راستہ خون سے آلودہ ہوجاتا ہے تو یہ بھی ایک منکر ہے۔ اسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوکان ہی میں ذبح کرنے کی کوئی صورت نکالے، کیوں کہ اس کی وجہ سے راستے میں تنگی ہوگی، نیز لوگوں پر ناپاک چھینٹے پڑنے کا خطرہ ہے اور اس گندگی کی وجہ سے لوگ گھٹن محسوس کریں گے۔ اسی طرح عام راستوں پر کوڑا یا تربوز کے چھلکے ڈال دینا، یا پانی بہا دینا، جس سے لوگوں کے پھسل جانے کا اندیشہ ہو، یہ بھی ایک منکر ہے۔'' ۱۹؎

اُس زمانے میں اس طرح کی چیزوں سے چند لوگ ہی متاثر ہوتے تھے اور نقصان کا دائرہ بڑا محدود ہوتا تھا۔ آج ایک گھر کی گندگی سے پورا سماج اور ماحول متاثر ہوتا ہے اور نقصان کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے، اس لیے روئے زمین پر آلودگی پھیلانے کا کوئی بھی عمل سخت ناروا ہوگا، کہ اس سے زمین کی زرخیزی متاثر ہوتی ہے اور فضائی اور آبی آلودگی پھیلتی ہے، لہٰذا:

۱۔ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے ناقابل استعمال اجزاء کو کسی کھلی جگہ چھوڑ دینا، جیسا کہ عام طور پر قربانی کے دنوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، جائز نہیں، بلکہ اسے

محفوظ طریقے سے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔

۲۔ سامان کی پیکنگ اور حمل ونقل کے لیے ممکن حد تک پلاسٹک کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ زمینی اور فضائی آلودگی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

۳۔ سڑک کے کنارے یا عوامی مقامات پر قضائے حاجت کرنا حرام اور لعنت کا سبب ہے، اسی طرح سے گندا پانی اور فضلات کھلی نالیوں یا گلیوں میں بہانا درست نہیں ہے۔

۴۔ سڑک یا عوامی مقامات پر تھوکنا خلافِ ادب ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس کی پابندی لازمی ہے، چنانچہ متعدد حدیثوں میں مسجد میں تھوکنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**عرضت علیّ أعمال أمتی حسنها وسیئها، فوجدت فی محاسن أعمالها الأذی یحاط عن الطریق، ووجدت في مساوی أعمالها النخامۃ تکون فی المسجد لا تدفن۔ ۲۰ ؎**

(میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کیے گئے۔ اچھے اعمال میں تکلیف دہ چیزوں کا راستے سے ہٹا دینے کا عمل بھی دکھائی دیا اور برے اعمال میں مسجد میں بلغم ڈالنا، جسے دفن نہ کیا گیا ہو، دکھائی دیا۔)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

**اذا تنخّم أحدکم فی المسجد فلیغب نخامته أن تصیب جلد مؤمن وثوبه فتؤذیه۔ ۲۱ ؎**

(جب تم میں سے کوئی مسجد میں بلغم پھینکے تو اسے چھپا دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مومن کے جسم یا کپڑے میں لگ جائے، جس سے اسے تکلیف ہو۔)

عوامی جگہوں پر تھوکنا گندگی پھیلانے کا سبب اور لوگوں کی ایذا رسانی کا ذریعہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بہت سے امراض کے منتقل ہونے اور پھیلنے کا باعث بھی ہے، خصوصاً اس وقت جب تھوکنے والے کو کوئی متعدی مرض لاحق ہو، یا وہ کوئی نشیلی چیز کھائے ہوئے ہو۔

## شجر کاری

اس کائنات کی تمام چیزیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں ، بلکہ بہت سی چیزوں کی زندگی ایک دوسرے سے وابستہ ہے، چنانچہ انسان اور حیوانات کے وجود کے لیے درختوں کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے ذریعہ آکسیجن حاصل ہوتی ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے اور درختوں کے وجود کے لیے حیوانات کا پایا جانا ناگزیر ہے کہ ان کو کاربن ڈائی آکسائڈ کی ضرورت ہے، جو جان داروں کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ نباتات انسانی غذا کا سرچشمہ ہیں کہ بلاواسطہ وہ غلّے ، پھولوں اور پھلوں سے، یا بالواسطہ گوشت اور دودھ کے ذریعہ، کیوں کہ ایسے جانور نباتات سے غذا حاصل کرتے ہیں، اس لیے کتاب وسنت میں بھی کھیتی کرنے اور پودے لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں کھیتی اور باغات کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اور اس کا ذکر بطور احسان کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

ما من مسلم يغرس غرساً أو يزرع زرعا فيأكل منه طير أو انسان أو بهيمة الّا كان له به صدقة۔ ۲۲؎

(مسلمان جو بھی باغ لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے اور اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا مویشی کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ام مبشر انصاریہؓ کے باغ میں داخل ہوئے اور ان سے دریافت کیا: اس کھجور کو کس نے لگایا ہے؟ مسلمان نے یا کافر نے؟ ام مبشر نے عرض کیا: مسلمان نے۔ آپؐ نے فرمایا:

لا يغرس مسلم غرساً ولا يزرع زرعاً فيأكل منه انسان ولا دابة ولا شيئ الّا كانت له صدقة۔ ۲۳؎

(جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے اور پھر اس میں سے کوئی انسان یا جانور یا کوئی اور کھالیتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”حدیث کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی ملکیت میں بھی کوئی پودا لگادے تو اسے مذکورہ

ثواب ملے گا، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ وہ باغ ام مبشر کا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے پوچھا کہ اسے کس نے لگایا ہے؟ ۲۴؎

علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں: ''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کھیتی اور باغ کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا مستحب ہے، کیوں کہ یہ اخروی ثواب کا ذریعہ ہے۔ ۲۵؎

حضرت معاذ بن انس جہنیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

**من بنى بنيانًا من غير ظلم ولا اعتداء، أو غرس غرسًا في غير ظلم ولا اعتداء، كان له أجر جار ما انتفع به من خلق الله تعالى۔ ۲۶؎**

(جو کوئی ظلم و زیادتی کے بغیر کوئی عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جب تک اس سے اللہ کی مخلوق فائدہ اٹھاتی رہے گی، اسے اس کا ثواب ملتا رہے گا۔)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**ان قامت الساعة وفی ید احدکم فسیلة فان استطاع ان لا یقوم حتی یغرسها فلیفعل۔ ۲۷؎**

(اگر قیامت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو تو اگر قیامت قائم ہونے سے پہلے وہ اسے گاڑ سکتا ہے تو اسے گاڑ دینا چاہیے۔)

علامہ مناویؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں درخت لگانے اور نہر بنانے پر خوب ابھارا گیا ہے، تاکہ یہ دنیا قیامت تک آباد اور سرسبز و شاداب رہے، تو جس طرح سے دوسروں نے تمہارے لیے درخت لگائے ہیں، اسی طرح تم بھی اپنے بعد آنے والوں کے لیے درخت لگا جاؤ، اگرچہ دنیا کی زندگی بہت کم رہ گئی ہو۔ ۲۸؎

حقیقت یہ ہے کہ شجر کاری، کھیتی اور باغبانی سے متعلق اس حدیث میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ مومنانہ فطرت اور طبیعت کا بیان ہے کہ وہ ہر حال میں خیر کا حریص ہوتا ہے اور بھلائی اور فائدہ پہنچانے کا سرچشمہ، جو نہ خشک ہوتا ہے اور نہ رکتا ہے، یہاں تک کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک نفع رسانی کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن آدمؒ نے اپنی کتاب 'الخراج' میں لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا: میں ایک ویران زمین پر پہنچا۔ وہاں کے لوگ اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔

میں نے وہاں تک پانی پہنچانے کے لیے نالی بنائی اور اس میں کاشت کاری کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: خوش دلی کے ساتھ اس کے غلے کو استعمال کرو، کیوں کہ تم اصلاح کرنے والے ہو، فساد کرنے والے نہیں، تعمیر کرنے والے ہو، تخریب کرنے والے نہیں۔ ۲۹؎

کھیتی اور باغبانی سے غلّہ اور آمدنی کے ساتھ بعض دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، جیسے ہریالی میں اضافہ، کیوں کہ ہرے پودوں کے ذریعے ماحولیاتی آلودگی میں کمی ہوتی ہے، وہ زہریلی گیس یعنی کاربن ڈائی آکسائڈ کو جذب کرتے ہیں اور جان داروں کی زندگی کے لیے مطلوب گیس یعنی آکسیجن فراہم کرتے ہیں، ان کے ذریعہ آندھی، طوفان اور گرد وغبار میں کمی آتی ہے، اور بارش ہوتی ہے۔ اسی بنیاد پر درختوں کو بلاوجہ کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ مفسّر ضحاک آیت: وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ الاعراف: ۵۶ (اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔) کی تفسیر میں کہتے ہیں:

> ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے چشمے کو بند نہ کرو اور کسی پھل دار درخت کو ضرر پہنچانے کے مقصد سے نہ کاٹو۔ ۳۰؎
>
> حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:
>
> **من قطع سدرۃً صوّب اللّٰہ رأسہ فی النار۔ ۳۱؎**
>
> (جو کوئی بیری کے درخت کو کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں جھونک دے گا۔)

امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں: ''حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بلاوجہ صحرا میں موجود بیری کے درخت کو کاٹ دے، جس کے سایے میں انسان اور جانور پناہ لیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اسے سیدھے جہنم میں ڈال دے گا۔ ۳۲؎

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: ''میرے خیال میں یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ بیری کے درخت کو بلا فائدہ کاٹا جائے، اگر چہ وہ اس کی ملکیت میں ہو۔ ۳۳؎

ملا علی قاریؒ وضاحت کرتے ہیں: ''حدیث میں خاص طور سے بیری کے درخت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ دوسرے درختوں کی بہ نسبت اس کے سایے میں زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے، لیکن مذکورہ وعید صرف اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تمام سایہ دار درختوں کا یہی حکم ہے، جن کے سایے میں انسان اور جانور پناہ لیتے ہوں۔ ۳۴؎

حضرت ابوبکرؓ فوجیوں کو روانہ کرتے ہوئے یہ نصیحت کیا کرتے تھے:

**ولا تخربوا عمراناً ولا تقطعوا شجرۃ الّا لنفع، ولا تعقّرن بھیمۃ الا لنفع۔** ۳۵

(آبادی کو ویران مت کرنا، بے فائدہ کسی درخت کو نہ کاٹنا اور نہ بے فائدہ کسی جانور کو ذبح کرنا۔)

اسی بنیاد پر جنگ کے موقع پر درخت کاٹنے کے لیے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے:

**ھذا اذا لم یغلب علی الظن انھم مأخوذون بغیر ذلک، فان کان الظاھر أنھم مغلوبون، وان الفتح بادٍ کرہ ذلک، لأنہ إفساد فی غیر محل الحاجۃ وما أبیح الا لھا۔** ۳۶

(درخت کاٹنے کی اجازت اس وقت ہے جب ظن غالب ہو کہ دشمن پر اس کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے، لیکن اگر بظاہر معلوم ہو کہ وہ شکست کھانے والے ہیں اور فتح بالکل قریب ہے تو درخت کاٹنا مکروہ ہے، کیوں کہ یہ بے ضرورت برباد کرنا ہے اور درخت کاٹنے کی اجازت ضرورت کی بنیاد پر دی گئی ہے۔)

## حیوانات کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو انتہائی اعتدال اور توازن پر قائم کر رکھا ہے۔ ہماری بے اعتدالی اور بے احتیاطی سے اس کائنات کی تمام چیزیں متاثر ہوتی ہیں۔ غور کیجیے کہ اگر جان دار چیزوں کی بہتات ہو جائے تو وہ آکسیجن کو ختم کر دیں گے، ساتھ ہی زہریلی گیس خارج کر کے ماحول کو آلودہ بنا دیں گے، نیز وہ جانور جو سبزی خور ہوں گے وہ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے ہریالی میں مزید کمی کریں گے، اور اگر ہریالی زیادہ ہو جائے تو انہیں زندہ رہنے کے لیے زیادہ مقدار میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی ضرورت ہوگی، جو کم تعداد میں موجود جانور مہیا نہیں کر پائیں گے۔ اسی کے ساتھ فضا میں آکسیجن کی مقدار بڑھ جائے گی، جس کی وجہ سے ہرے پودوں کے بڑھنے کا عمل سست پڑ جائے گا۔ کائنات میں موجود اسی توازن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے:

وَاَنۡبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ۔ (الحجر:۱۹)

(اور ہم نے ہر چیز ایک متعین اور موزوں مقدار میں اگادی۔)

دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے ہی کے لیے جانوروں کو پیدا کیا ہے:

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا لَكُمۡ۔ (النحل:۵)

(اور مویشیوں کو اس نے تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔)

قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ جانور اور پرندے انسانوں کی طرح ایک جان دار گروہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُكُمۡ (الانعام:۳۸)

(اور جتنے قسم کے جان دار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرندے ہیں جو اپنے دونوں پروں سے اڑتے ہیں، ان میں سے کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو کہ تمہاری طرح گروہ نہ ہوں۔)

اس آیت کی تشریح میں علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''یہ بھی تمہاری طرح کے گروہ ہیں، جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے، ان کی روزی کی ضمانت لی ہے اور ان کے سلسلے میں عدل وتوازن کا خیال رکھا ہے، لہٰذا ان پر ظلم کرنا اور ان کے سلسلے میں جو حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے،''[۳۷] بلا ضرورت جانوروں کو تکلیف پہنچانا باعثِ عذاب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**عذبت امرأة فی هرة حبستها حتی ماتت جوعاً، فدخلت فیها النار۔**[۳۸]

(ایک عورت نے ایک بلّی کو بند کر رکھا تھا، چنانچہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی تو اسے اس کی سزا ملی اور جہنم میں داخل کردی گئی۔)

علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت مسلمان تھی اور بلّی کو ستانے کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی۔''[۳۹] اور حافظ ابن حجرؒ

وضاحت کرتے ہیں: ''بلّی کی طرح دوسرے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔''۴۰ بلکہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''جب بلّی کے سلسلے میں یہ حکم ہے تو وہ جانور جو کسی کی ملکیت میں ہوں، ضرور اس حکم میں شامل ہوں گے، کیوں کہ وہ مالک کے فائدے کے لیے باندھ کر رکھے گئے ہیں۔''۴۱ علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کو کھلانا پلانا اس کے مالک پر فرض ہے۔''۴۲

جانوروں کے سلسلے میں اسلام کس درجہ حساس ہے، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل حدیث سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**اذا سافرتم فی الخصب فاعطوا الابل حظّها من الأرض، واذا سافرتم فی السنة فأسرعوا علیها السیر واذا عرستم اللیل فاجتنبوا الطریق فانّها مأوی الهوام باللیل۔**۴۳

(جب تم سرسبز راستے میں سفر کرو تو اونٹ کو راستے میں چرنے کا موقع دو اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو جلدی سے وہاں سے گزر جاؤ، اور جب تم رات میں پڑاؤ ڈالو تو راستے سے ہٹ جاؤ، کیوں کہ وہ کیڑوں مکوڑوں کا ٹھکانہ ہے۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: ''جانور اور کیڑے مکوڑے انسانی راستوں پر رات میں آتے ہیں، تا کہ گزرنے والوں کے ذریعہ کھانے کی جو چیزیں گر گئی ہیں انہیں اپنی غذا بنا لیں۔''۴۴ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہاں پڑاؤ ڈالنے سے ان کو وہاں سے اپنی غذا حاصل کرنے میں پریشانی ہوگی۔ اس حدیث میں جانوروں کے سلسلے میں جس دقّت نظری اور رحم و کرم کا مظاہرہ کیا گیا ہے، کسی دوسرے مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک حدیث میں جانور پر ترس کھانے کی وجہ سے جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**بینما رجل یمشی فاشتدّ علیه العطش، فنزل بئراً فشرب منها ثم**

**خرج، فاذا هو بکلب یلهث یاکل الثری من العطش، فقال: لقد بلغ هذا مثل الذی بلغ بی، فملأ خفه ثم أمسکه بفیه ثم رقی فسقی الکلب، فشکر الله فغفر له، قالوا: یارسول الله! ان لنا فی البهائم أجرا، قال: فی کل کبدرطبة أجر"** ۴۴؎

(ایک آدمی کہیں جا رہا تھا۔ اسے پیاس لگی۔ اس نے ایک کنوئیں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھ کو لگی تھی۔ اس نے کنوئیں میں اتر کر اپنے موزے میں پانی بھرا اور لا کر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ اس کی مغفرت کر دی۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جانور کی وجہ سے بھی ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، ہر جگر والے کی وجہ سے ثواب ملے گا۔) ۴۵؎

اس سلسلے کی بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بدکار عورت تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ کتبِ فقہ میں اس سلسلے کی بڑی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ حاشیہ دسوقی میں ہے کہ اگر کسی بلی کی بینائی ختم ہو جائے تو گھر کے مالک کے لیے اسے کھلانا پلانا ضروری ہے، جب کہ وہ وہاں سے جانے پر قادر نہ ہو اور اگر قادر ہو تو پھر کھلانا پلانا ضروری نہیں ہے۔ ۴۶؎

جانوروں کو بلا وجہ ستانے اور مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

**ما من انسان قتل عصفوراً فما فوقها بغیر حقّها الاّ سأله اللّٰہ منها، قیل: یا رسول الله! وما حقها؟ قال یذبحها فیأکلها، ولا یقطع رأسها یرمی بها۔** ۴۷؎

(جو کوئی کسی گوریا یا اس سے چھوٹے پرندے کو ناحق مار دے تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھ گچھ کریں گے۔ عرض کیا گیا کہ اس کا حق کیا ہے

؟ فرمایا: اسے ذبح کر کے کھائے۔ ایسا نہ کرے کہ سر کاٹ کر پھینک دے۔)

اسی بنیاد پر تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ایسے کیڑے مکوڑے کو مارنا مکروہ ہے جو نقصان نہ پہنچائے، بلکہ فقہ حنفی میں اس سلسلے میں بڑی دقت نظر پائی جاتی ہے۔ چنانچہ فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ چیونٹی کو اسی وقت مارنا درست ہے جب وہ کاٹ لے۔ اس سے پہلے مارنا مکروہ ہے۔ ۴۸؎

علامہ شامی لکھتے ہیں:

طرح القمل فی المسجد ان کان میتا حرم لنجاسته، و ان کان حیا ففی کتب المالکیة کذلک، لأن فیه تعذیباً له بالجوع۔ ۴۹؎

(مرے ہوئے جوں کو مسجد میں پھینکنا حرام ہے، کیوں کہ وہ ناپاک ہے اور زندہ جوں کو بھی مسجد میں چھوڑنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہ مالکی کی کتابوں میں ہے، کیوں کہ اس صورت میں اسے بھوکا رکھ کر ستانا ہے۔)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قتل الزنبور والحشرات هل یباح فی الشرع ابتداء من غیر ایذاء وهل یثاب علی قتلهم؟ قال: لا یثاب علی ذلک، و ان لم یوجد منه الایذاء فالأولی أن لا یتعرض بقتل شیئ منه۔ ۵۰؎

(کیا بھڑ یا کیڑے مکوڑے کو کاٹنے سے پہلے مارنا جائز ہے؟ اور کیا اس کے مارنے پر کوئی ثواب ہے؟ کہا: نہیں، اس کے مارنے پر کوئی ثواب نہیں، اور اگر وہ تکلیف نہ دے تو بہتر ہے کہ اسے مارا نہ جائے۔)

فقہ اسلامی میں چیونٹی، مچھر، جوں وغیرہ کے سلسلے میں جو تفصیلات ملتی ہیں اس سے جانوروں کے تعلق سے لطف و مہربانی اور رحمت و رافت اور نرمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی مخلوقات اور ذی روح ہیں۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک انسانیت کا تقاضا ہے اور برا سلوک قساوت قلبی اور بے رحمی کی دلیل ہے۔ تمام

جانور اس حدیث کے عموم میں شامل ہیں جس میں روئے زمین پر رہنے والوں پر رحم کرنے کی صورت میں آسمان والے کے رحم کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں خصوصیت کے ساتھ کہا گیا ہے:

والشاۃ ان رحمتھا رحمک اللہ۔ ۵۱

(اگر تم بکری پر رحم کروگے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔)

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان سے کائنات کا مفاد وابستہ ہے، اس لیے حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ تمام جانوروں کی نسل برقرار رہے۔ لہٰذا ہمیں جانوروں کی نسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کسی ایسے عمل سے بچنا چاہیے جس سے ان کے کم یا ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے، کیوں کہ ماحولیاتی تحفظ میں پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔

## صوتی آلودگی

آواز میں بھی توازن اور اعتدال برقرار رکھنا ضروری ہے۔ حدِّ اعتدال سے زیادہ آواز ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جیسے قوت سماعت میں کمی، چڑچڑاہٹ، ذہنی تناؤ میں اضافہ، بے خوابی، دل کے امراض، ہاضمے کی خرابیاں، بلڈ پریشر اور بلڈ شوگر وغیرہ۔

بے وجہ اور بے ضرورت چیخنا اور چلانا کسی انسان کے لیے خوبی نہیں، بلکہ عیب ہے۔ ماضی میں اور آج بھی عام طور پر یہ ذہنیت پائی جاتی ہے کہ بلند آواز سے بولنا مردانگی اور بہادری کی علامت اور معتدل آواز سے بولنا بز دلی اور پستی کی نشانی ہے۔ قرآن مجید میں اس ذہنیت اور فکر کی تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر تیز آواز سے بولنا کوئی پسندیدہ صفت ہوتی تو گدھے کی آواز سب سے اچھی آواز سمجھی جاتی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

(لقمان:۱۹)

(اور اپنی آواز کو ذرا پست رکھ۔سب آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ
آواز گدھے کی ہوتی ہے۔)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: ''بے فائدہ اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔آیت میں بلند آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دینے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا کرنا حرام اور حد درجہ لائق مذمت ہو۔'' ۵۲؎ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں: ''خواہ مخواہ آواز بلند نہ کرو، ضرورت کے بقدر بلند کرو، کیوں کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بولنا تکلیف کا سبب ہے۔ ۵۳؎ شیخ وہبہ زحیلیؒ کہتے ہیں: ''تیز آواز سے بولنا قوتِ سماعت کے لیے نقصان دہ ہے۔'' ۵۴؎

نماز اور ذکر جیسی اہم عبادات میں بھی آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا

(الاسراء:۱۱۰)

(نہ تو اپنی نماز بہت آواز سے پڑھ اور نہ بالکل خاموشی سے، بلکہ اس
کے درمیان کا راستہ تلاش کر۔)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ ایک سفر میں تھے۔ جب ہم کسی وادی میں پہنچتے تو بلند آواز میں اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

**يا أيها الناس! اربعوا على أنفسكم، فانكم لا تدعون غائباً ولا أصم، انه معكم، انه سميع قريب۔** ۵۴؎

(لوگو! سکون اور آرام سے رہو، تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکار
رہے ہو، بلکہ وہ تمہارے ساتھ ہے اور سننے والا اور تم سے بالکل قریب
رہنے والا ہے۔)

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ ایک رات باہر نکلے۔دیکھا کہ ابو بکرؓ پست آواز میں نماز تہجد پڑھ

رہے ہیں اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ بلند آواز میں پڑھ رہے ہیں ۔ صبح کے وقت جب دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ابوبکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم پست آواز میں تلاوت کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! جس ذات سے میں سرگوشی کر رہا تھا وہ سن رہا تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: تمہارے پاس سے گزرا تو تم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: میں سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: تم اپنی آواز قدرے بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: تم اپنی آواز قدرے پست کرو''۔۵۶؎

حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مسجد میں اعتکاف کیا تو دیکھا کہ لوگ بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں۔ آپؐ نے پردہ اٹھایا اور فرمایا:

**ألا ، انّ کلّکم مناجٍ ربّہ، فلا یوذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القراءۃ۔ ۵۷؎**

(تم سب اپنے رب سے گفتگو کر رہے ہو، اس لیے ایک دوسرے کو پریشان نہ کرو اور بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو۔)

خود اللہ کے رسول ﷺ کی صفت توریت وغیرہ میں یہ بیان کی گئی تھی:

**ولا صخّاباً بالأسواق ۵۸؎**

(اور آپؐ بازاروں میں بہت زیادہ شوروغل کرنے والے نہ ہوں گے۔)

حضرت قیس بن عبادؒ کہتے ہیں: ''صحابہ کرامؓ ذکر، لڑائی اور جنازہ میں بلند آواز کو ناپسند کیا کرتے تھے''۔۵۹؎

ان احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے لکھا ہے: ''جماعت کے اعتبار سے آواز کو بلند کرنا واجب ہے، اس سے زیادہ غلط ہے''۔۶۰؎

علامہ شامیؒ کہتے ہیں: اتنی بلند آواز جو خود آدمی کو تھکا دے اور دوسروں کے لیے تکلیف کا ذریعہ ہو، بہتر نہیں ہے۔۶۱؎ کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے جس سے کسی کی نیند خراب

ہوتی ہو تو یہ جائز نہیں ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے، جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ ٦٢ ؎

عمر بن شیبہؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک واعظ حضرت عائشہؓ کے مکان کے بالکل سامنے بلند آواز سے وعظ کیا کرتا تھا، جس سے حضرت عائشہؓ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے اسے وعظ کرنے سے منع کر دیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے دوبارہ شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کو اس سزا دی۔ ٦٣ ؎

ان آیات و روایات اور فقہی عبارتوں کی روشنی میں کہا جائے گا کہ کارخانوں وغیرہ کی پرُ شور مشینوں کو اگر حکومت کی طرف سے آبادی سے باہر لگانے کی ہدایت کی جاتی ہے تو شرعاً اس کی تعمیل ضروری ہے۔

بے ضرورت گاڑیوں کا ہارن بجانا، نیز ایمبولنس کی طرح سائرن لگانا درست نہیں ہے کہ اس سے صوتی آلودگی پھیلتی ہے اور دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

تقریبات یا جلوس وغیرہ کے موقع پر ڈی جے (DJ) کا استعمال ناجائز ہے، کیوں کہ وہ مزامیر میں شامل ہے، نیز اس سے صوتی آلودگی پھیلتی ہے اور لوگوں کو، خصوصاً مریضوں کو اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک کے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں۔

اگر حکومت کی طرف سے مذہبی ، سیاسی جلسوں اور مشاعروں کی آواز وغیرہ میں کوئی تحدید عائد کی جاتی ہے تو شرعاً اس کی پابندی ضروری ہے۔

(نوٹ: راقم نے اپنی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' [ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۵، طبع چہارم] میں ماحول کے تحفظ اور اسے آلودگی سے پاک صاف رکھنے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس سے بھی اس موضوع پر اسلام کا موقف سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جلال الدین)

# حواشی ومراجع


۱۔ ملاحظہ کیجیے: الدرالمنثور: ۴/ ۴۴۴، البحرالمحیط: ۵/ ۲۳۹

۲۔ صحیح البخاری: ۳۲۸ وغیرہ ۳۔ البحرالمحیط: ۴/ ۱۳۱۳ ۴۔ الجامع لاحکام القرآن: ۷/ ۲۲۶

۵۔ حوالہ سابق: ۹/ ۵۶ ۶۔ الجامع لاحکام القرآن: ۹/ ۵۶ ۷۔ حوالہ سابق

۸۔ الکشاف: ۳/ ۱۰۱ ۹۔ سنن أبی داؤد: ۳۰۷۳، مسند احمد: ۱۴۳۱۰

۱۰۔ مسند البزار: ۲۸۹، ۷، سنن ابن ماجۃ: ۲۴۲ ۱۱۔ صحیح مسلم: ۵۸ وغیرہ

۱۲۔ صحیح البخاری: ۲۸۲۷ ۱۳۔ صحیح البخاری: ۲۳۴ ۱۴۔ صحیح مسلم: ۲۶۱۸

۱۵۔ المعجم الاوسط: ۴/ ۲۳۱ ۱۶۔ جامع الترمذی: ۲۷۹۹، مسند أبی یعلی: ۷۹۰

۱۷۔ صحیح مسلم: ۲۶۹ ۱۸۔ ملاحظہ کیجئے الفتاوی الھندیۃ: ۶/ ۴۰–۴۱ ۱۹۔ احیاء علوم الدین: ۲/ ۳۳۹

۲۰۔ صحیح مسلم: ۵۵۳ ۲۱۔ مسند أحمد: ۱۵۴۳

۲۲۔ صحیح البخاری: ۲۱۹۵، صحیح مسلم: ۱۵۵۲ ۲۳۔ صحیح مسلم: ۱۵۵۲

۲۴۔ فتح الباری: ۵/ ۴ ۲۵۔ المبسوط: ۲۳/ ۲۴

۲۶۔ مسند احمد: ۱۵۶۵۴، المعجم الکبیر: ۱۷۱۶۷ ۲۷۔ مسند احمد: ۱۳۰۰۴، الأدب المفرد للبخاری: ۴۷۹

۲۸۔ فیض القدیر: ۳/ ۴۰ ۲۹۔ الخراج: ۹۹ ۳۰۔ الجامع لاحکام القرآن: ۷/ ۲۲۶

۳۱۔ سنن ابی داؤد: ۵۲۳۹ ۳۲۔ سنن أبی داؤد: ۵۲۳۹ ۳۳۔ روح المعانی: ۲۲/ ۱۲۸

۳۴۔ مرقاۃ المفاتیح: ۹/ ۲۲۳ ۳۵۔ مؤطا، امام مالک: ۹۶۵ ۳۶۔ فتح القدیر: ۵/ ۴۴۷

۳۷۔ الجامع الاحکام القرآن: ۴/ ۴۱۹

۳۸۔ صحیح البخاری: ۲۲۳۶، صحیح مسلم: ۲۲۴۲ ۳۹۔ المنھاج: ۶/ ۲۰۷

۴۰۔ فتح الباری: ۶/ ۳۵۸ ۴۱۔ نیل الأوطار: ۷/ ۹۱ ۴۲۔ المنھاج: ۶/ ۲۰۷

۴۳۔ صحیح مسلم: ۱۹۲۶، وغیرہ ۴۴۔ التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ۱/ ۲۰۵

۴۵۔ صحیح البخاری: ۲۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۲۴۴ ۴۶۔ حاشیہ الدسوقی: ۲/ ۵۲۲

۴۷۔ سنن النسائی: ۴۳۴۹، مسند احمد: ۶۵۵۰ ۴۸۔ البحر: ۸/ ۲۳۲، الھندیۃ: ۵/ ۳۶۱

۴۹۔ ردالمحتار: ۱/ ۶۵۳ ۵۰۔ الفتاوی الھندیۃ: ۵/ ۳۶۱ ۵۱۔ مسند احمد: ۵۶۳۰

۵۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۸۱۱ ۵۳۔ الجامع لاحکام القرآن: ۱۶/ ۴۸۳

۵۴۔ التفسیر المنیر: ۱۱/ ۱۶۶ ۵۵۔ صحیح البخاری: ۲۹۹۲ ۵۶۔ سنن أبی داؤد: ۱۳۲۹

۵۷۔ سنن أبی داؤد: ۱۳۳۲ ۵۸۔ سنن دارمی: ۵ ۵۹۔ عمدۃ القاری: ۱۴/ ۲۴۵

۶۰۔ الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۹ ۶۱۔ ردّالمحتار: ۲/ ۹/ ۲۴۹، از اسلام اور جدید فکری مسائل: ۲۸۲

۶۲۔ خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۱۰۳، ردّالمحتار: ۴۰۳، از ذکر وفکر، ص: ۲۸